مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ

سید ہاشم نظام ایس ایم ندوی

معاون مدیر

سید احمد سالک برماور ندوی

زیر سرپرستی

مولانا محمد الیاس فقیہ احمد ندوی

ماہنامہ فکروخبر بھٹکل

حق اور حقیقت کا آئینہ دار

جلد نمبر(۱)   شمارہ نمبر (۲)   تاریخِ اشاعت : یکم ذی القعدہ ۱۴۴۵ ہجری مطابق 10 مئی 2024 عیسوی

مجلس مشاورت

عبدالمعز منیری ندوی

عبدالاحد فکردے ندوی

عتیق الرحمن ڈانگی ندوی

سید اظہر برماور ندوی

سید احمد ایاد ایس ایم ندوی

SPECIMEN COPY

مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ

مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ سے دوسروں کی پولٹیکل تنظیموں کے آگے جھک کر اپنا راستہ پیدا کریں، ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں، وہ خود دنیا کو اپنی جماعت میں شامل کرنے والے اور اپنی راہ پر چلانے والے ہیں اور صدیوں تک چلا چکے ہیں، وہ خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو ساری دنیا ان کے آگے کھڑی ہو جائے گی، ان کا خود اپنا راستہ موجود ہے، راہ کی تلاش میں کیوں اوروں کے دروازوں پر بھٹکتے پھریں۔ خدا ان کو سربلند کرتا ہے تو وہ کیوں اپنے سروں کو جھکاتے ہیں وہ خدا کی جماعت ہیں اور خدا کی غیرت اس کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والوں کے سر غیروں کے آگے بھی جھکیں۔

(مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ)

اس شمارے میں

سیاسی منظر نامے پر
بے اثر ہوتے مسلمان
معروف صحافی عبدالباری مسعود کی تحریر پڑھیے
صفحہ نمبر ۴ اور ۵ پر

بھٹکل میں حادثاتی اموات
چند احتیاطی تدابیر
صفحہ نمبر ۶ پر

اندرونی صفحات میں مزید پڑھیے
اداریہ، تعارفِ کتب، بچوں کا ادب اور فقہ شافعی کے اہم سوالات سمیت دیگر اہم تحریریں

پارلیمانی انتخابات 2024: آئین کی بالادستی کی جنگ

انتخابات جیتنے کے لیے فرقہ واریت کا سہارا لینے پر بی جے پی مجبور؟

انتخابی ضابطۂ اخلاق کی خلاف ورزیوں پر الیکشن کمیشن کی خاموشی سوالات کے گھیرے میں

اکثریتی آمریت جمہوریت کے لیے خطرناک ترین رجحان۔پٹری سے اتری ہوئی معیشت،اشیاء کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ،سیاستدانوں کی بداخلاقی حکومت کے لیے بڑا چیلنج

سید احمد سالک برماور ندوی

اٹھارویں لوک سبھا کے لیے انتخابات کے سات میں سے تین مراحل کی تکمیل کے بعد انتخابات نہایت اہم صورتحال اختیار کرتے جارہے ہیں۔سیاسی بیان بازیاں،الزام تراشیاں، وعدے،دعوے اور سیاسی مخالفین کے ساتھ نازیبا سلوک،اپوزیشن کی آواز دبانے کی کوشش،ایجنسیوں کا سیاسی استعمال جیسے کئی اہم ایشوز پورے انتخابی منظر نامے پر چھائے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ملک کے عام مسائل کو حکمراں جماعت کی طرف سے نظر انداز کیے جانے اور جذباتی مسائل کو جان دار میڈیا کے ذریعے اچھالے جانے کی وجہ سے بھی عوام کے ایک بڑے طبقے میں ناراضی دیکھنے کو مل رہی ہے۔تجزیہ نگار مختلف واقعات اور حالات کی روشنی میں مسلسل لکھ رہے ہیں کہ اس بار دلی کا راستہ دشوار ہوسکتا ہے۔بی جے پی نے اپنے کارکنان میں نفسیاتی برتری کا احساس بڑھانے کے لیے ''اب کی بار چار سو پار'' کا نعرہ دیا ہے 2019 کے انتخابات کے مقابلے میں بی جے پی کے لیے 2024 کے انتخابات زیادہ اطمینان بخش نہیں ہیں۔

بھارت 2014 سے 2024 تک

ملک میں گزشتہ 10 برس میں جو بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں اور حالات جس تیز رفتاری سے بدلے ہیں اس کے پیش نظر جانکار اس انتخاب کو 1977 کے انتخابات کے مشابہ قرار دے رہے ہیں۔ہفت روزہ دعوت دہلی میں نامور تاریخ داں اور تجزیہ نگار رام چندر گوہا کے ایک مضمون کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ انہوں نے 2024 کے انتخاب کو 1975 کے اندرا گاندھی کی ایمرجنسی کے بعد ملک کے سیاہ ترین دور میں ہونے والے 1977 کے انتخابات سے موازنہ کیا ہے۔سیاسی مخالفین کے ساتھ حکومت جس طریقے سے نمٹ رہی ہے اس کی وجہ سے یہ موازنہ کچھ غلط بھی نہیں لگ رہا ہے۔پچھلے 10 برس میں سڑک سے سنسد تک۔دلی سے گلی تک مذہبی اقلیتوں کو حاشیے پر دھکیلنے کی جو کوشش ہوئی ہے اس سے ہر کوئی واقف ہے۔بی جے پی کے ارکان پارلیمنٹ سر عام مسلمانوں کا مذاق اڑانے اور ان کو تنقیدوں کا نشانہ بنانے کا کام بڑی بے شرمی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔نصابی کتابوں کو زعفرانی رنگ دے کر معصوم ذہنوں کو بڑی سازش کے ساتھ مسموم کیا گیا ہے۔ملک کی نئی نسلوں کے ذہن میں اس طریقے سے زہر بھرنے کے بعد آنے والے دنوں میں اس کے اثرات بڑے پیمانے پر محسوس کیے جانے کا بھی

پچھلے 10 برس میں سڑک سے سنسد تک۔دلی سے گلی تک مذہبی اقلیتوں کو حاشیے پر دھکیلنے کی جو کوشش ہوئی ہے اس سے ہر کوئی واقف ہے۔بی جے پی کے ارکان پارلیمنٹ سر عام مسلمانوں کا مذاق اڑانے اور ان کو تنقیدوں کا نشانہ بنانے کا کام بڑی بے شرمی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔نصابی کتابوں کو زعفرانی رنگ دے کر معصوم ذہنوں کو بڑی سازش کے ساتھ مسموم کیا گیا ہے۔ملک کی نئی نسلوں کے ذہن میں اس طریقے سے زہر بھرنے کے بعد آنے والے دنوں میں اس کے اثرات بڑے پیمانے پر محسوس کیے جانے کا بھی اندیشہ ظاہر کیا جارہا ہے۔

اندیشہ ظاہر کیا جارہا ہے۔جانکاروں کا ماننا ہے کہ نریندر مودی اگر تیسری بار انتخابات جیت جاتے ہیں تو ملک میں اکثریتی آمریت کے امکانات مزید بڑھ جائیں گے۔اور حکومت متبادل میڈیا کی آزادی کا گلا دبانے کے ساتھ جمہوری اداروں کے وقار کو مزید مجروح کرنے کا کام کرے گی۔اسی طرح ملک کے اعلی تعلیمی ادارے ہندوتوا پروپگنڈے کے مراکز میں تبدیل ہوجائیں گے۔ظاہری بات ہے یہ صورتحال دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کو انتہائی زوال تک پہنچا دے گی۔انتخابی مہم کے دوران بی جے پی کی قیادت نے جس درجے کی زہر افشانی کی ہے اس سے فرقہ پرستوں کے حوصلے مزید بلند ہوں گے

بے جان الیکشن کمیشن

گزشتہ دنوں الیکشن کمشنر راجیو کمار نے ''وکست بھارت سمپرک'' کے نام سے واٹس ایپ پر وزیر اعظم کے ایک برقی پیغام کو روکنے کے لیے جس طرح مستعدی دکھائی وہ گزشتہ کئی برسوں میں پہلی بار دیکھنے کو ملی۔الیکشن کمیشن کی اس قدر مستعدی کے باوجود 23 مارچ 2024 کے روزنامہ انقلاب ممبئی نے اپنے اداریے میں لکھا تھا کہ ہم اس امید کو دل میں جگہ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ چیف الیکشن کمشنر راجیو کمار کی شکل میں ملک کو ٹی این سیشن یا جے ایم لنگڈوہ جیسا کوئی فرض شناس افسر میسر آگیا ہے۔مذکورہ دونوں افسران بہترین الیکشن کمشنر کی حیثیت سے 1990 تا 1996 اور 2000 سے 2006 تک اپنے فرائض بڑی ہی ایمانداری کے ساتھ انجام دے چکے ہیں۔جے ایم لنگڈوہ نے بحیثیت الیکشن کمشنر 2002 کے گجرات فسادات کے بعد اس وقت کے گجرات کے وزیر اعلی نریندر مودی کے اسمبلی تحلیل کرکے الیکشن کرائے جانے کی تجویز یہ کہہ کر مسترد کردی تھی کہ حالات الیکشن کرانے

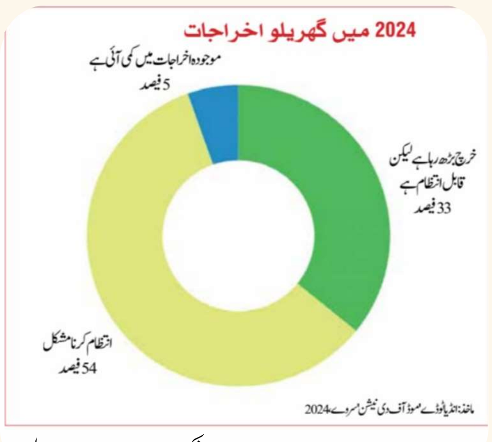

بشکریہ ہفت روزہ دعوت، دہلی

کے لیے سازگار نہیں ہیں یوں انہوں نے اپنے عہدے پر رہتے ہوئے بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا تھا۔موجودہ الیکشن کمشنر راجیو کمار کے تعلق سے جو امید کی کرن نمودار ہوئی تھی وہ تین مرحلوں کے انتخابات کے دوران مدھم پڑتی نظر آئی کیونکہ دو مرحلوں کی ووٹنگ کے بعد حکمران جماعت کو رائے دہندگان کی ترجیحات کا اندازہ ہوا تو بڑبولے لیڈران کی جانب سے کھلے عام انتخابی ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزیاں دیکھنے کو ملیں۔مذہب کے نام پر ووٹ مانگنے اور ایک طبقے کے خلاف زہر افشانی کرنے والے نام نہاد طاقتور لیڈروں کے آگے الیکشن کمیشن پوری طرح دنڈوت نظر آیا۔

دوسری طرف ملک کی مختلف ذات برادریوں کے خلاف نفرت انگیز ریمارکس یا ان کے درمیان مذہبی اور لسانی کشیدگی کو روکنے کے لیے نافذ کیا جانے والا کوڈ آف کنڈکٹ پوری طرح بے اثر نظر آیا۔بی جے پی کے عام لیڈران کا ذکر ہی کیا جب ملک کے سب سے باوقار عہدے پر فائز وزیر اعظم نے ہی ہر طرح اپنے عہدے کے وقار کو مجروح کیا ہو۔ہندو خواتین سے منگل سوتر چھیننے یا زیادہ بچے پیدا کرنے والے اشاروں سے مسلمانوں کو طنز کا نشانہ بنانے یا ملک کی جائیدادوں کو مسلمانوں کو دینے، ووٹ جہاد جیسے واہیات بیان کے ذریعے دو فرقوں میں دوریاں پیدا کرنے کی کوشش پر الیکشن کمیشن کی خاموشی سوالات کے گھیرے میں رہی۔سابق الیکشن کمشنر اشوک لواسا نے انتخابی ضابطہ اخلاق کی بے انتہا خلاف ورزیوں پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس

سے پہلے بھارت میں کبھی اس طرح قوانین کی دھجیاں نہیں اڑائی گئیں۔

انتخابات جیتنے فرقہ واریت کا سہارا

مہنگائی کے خلاف محاذ بنا کر اور عوام کو دلفریب نعروں کے جال میں پھانس کر دس سال پہلے اقتدار میں آنے والے نریندر مودی اب کی بار انتخابات میں اپنی حصولیابیاں گنانے کی بجائے صرف فرقہ واریت کا سہارا لیتے نظر آرہے ہیں۔جس سے ان کی مایوسی کا بھرپور اظہار ہورہا ہے۔ملک کی مختلف ریاستوں میں کیے گئے ایک سروے میں شامل 64 فیصد افراد کا ماننا ہے کہ ملک کی معاشی صورتحال انتہائی خراب ہے۔سروے میں شامل 62 فیصد افراد مانتے ہیں کہ پچھلے 10 برسوں میں گھریلو اخراجات بے حد بڑھ گئے ہیں۔95 فیصد افراد قیمتوں پر بے تحاشہ اضافے کی وجہ سے تشویش ظاہر کررہے ہیں۔ملک کے حکمران کے لیے اس سے زیادہ شرمندگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ 10 برس اقتدار کے مزے لوٹنے کے بعد اپنی حصولیابیاں بتا کر ووٹ مانگنے کی بجائے انتخابات جیتنے کے لیے انہیں فرقہ واریت کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔

مرکزی جانچ ایجنسیوں کو بے دریغ اختیارات

ہر دور میں مرکزی جانچ ایجنسیوں پر حکومت کے اشاروں پر کام کرنے کے الزامات لگتے رہے ہیں اور اپوزیشن لیڈروں کے خلاف انتقامی کارروائیاں کوئی نئی بات نہیں ہے۔کلکتہ سے تعلق رکھنے والے صحافی نوراللہ جاوید نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ 2013 میں سپریم کورٹ آف انڈیا نے سی بی آئی کو پنجرے کا طوطا قرار دیا تھا مگر اب صرف سی بی آئی بلکہ ای ڈی اور انکم ٹیکس بھی پنجرے میں قید ہوگئے ہیں بس فرق صرف اتنا ہے کہ اب سپریم کورٹ کوئی ردعمل دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔

سابقہ حکومتوں کے دور کی اور گزشتہ دس برسوں کی ایجنسیوں کی کارروائیوں میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ آج جانچ ایجنسیوں کا کردار جانبدارانہ ہے۔ای ڈی کی فعالیت کا اندازہ لگانے کے لیے 27 جولائی 2022 کے ہندوستان ٹائمز کی ایک رپورٹ کافی ہے جس میں لکھا گیا تھا کہ 2000 سے 2014 تک اے ڈی کے مجموعی چھاپوں کی تعداد 112 تھی جو 2014 سے 2022 تک اٹھ برس کے عرصے میں 3 ہزار سے تجاوز کرگئی۔گزشتہ مہینے انقلاب ممبئی نے الیکٹرول بانڈز معاملے کی تحقیقات کے ضمن میں شائع اپنے ایک ادارے میں اس بات کی صراحت کی تھی کہ پچھلے دو برسوں کا ڈیٹا موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی مزید تفصیلات معلوم نہیں ہوسکیں بہرحال کسی بھی سرکاری ادارے کی اچھی بات ہے لیکن اس قدر سے سوالات اٹھتے ہیں جسے سیاسی مخالفین کو نیچا دکھانے کی کارروائی کے طور پر ہی دیکھا جاتا ہے۔مرکزی جانچ ایجنسیوں کو اس طرح بے لگام کرنا جمہوریت کے لیے اچھی علامت نہیں ہے۔

رام مندر اب کوئی ایشو نہیں رہا

اخبار دی ہندو نے ملک کے عام شہریوں کے مزاج کو جاننے کے لیے سروے کیا تو سروے میں شامل 82 فیصد لوگوں نے بتایا کہ اب رام مندر اس ملک کے لیے کوئی ایشو ہی نہیں رہا۔لوگوں کا ماننا ہے کہ رام مندر سپریم کورٹ کے حکم کے بعد بنائی گئی ہے لہذا بی جے پی کو اس کا کریڈٹ لینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔اسی طرح لوگ یہ بھی پوچھ رہے ہیں کہ انتخابی ریلیوں میں بار بار ''جو رام کو لائے ہیں ہم ان کو لائیں گے'' جیسے نعروں کا کیا جواز باقی رہتا ہے۔اس پورے منظرنامے میں یہ سوال نہیں ہے کہ مودی کو اس کا کتنا فائدہ ملے گا بلکہ سوال یہ ہے کہ سماج کے ایک طبقے کے دل میں دوسرے طبقے سے متعلق جو زہر گھول دیا گیا ہے اس کا اثر دیر تک اور دور تک باقی رہے گا اور ملک کو اس کا نقصان اٹھانا پڑے گا تو کس کو اس کے لیے ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔

اخبار دی ہندو نے ملک کے عام شہریوں کے مزاج کو جاننے کے لیے سروے کیا تو سروے میں شامل 82 فیصد لوگوں نے بتایا کہ اب رام مندر اس ملک کے لیے کوئی ایشو ہی نہیں رہا۔لوگوں کا ماننا ہے کہ رام مندر سپریم کورٹ کے حکم کے بعد بنائی گئی ہے لہذا بی جے پی کو اس کا کریڈٹ لینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔اسی طرح لوگ یہ بھی پوچھ رہے ہیں کہ انتخابی ریلیوں میں بار بار ''جو رام کو لائے ہیں ہم ان کو لائیں گے'' جیسے نعروں کا کیا جواز باقی رہتا ہے۔اس پورے منظرنامے میں یہ سوال نہیں ہے کہ مودی کو اس کا کتنا فائدہ ملے گا بلکہ سوال یہ ہے کہ سماج کے ایک طبقے کے دل میں دوسرے طبقے سے متعلق جو زہر گھول دیا گیا ہے اس کا اثر دیر تک اور دور تک باقی رہے گا اور ملک کو اس کا نقصان اٹھانا پڑے گا تو کس کو اس کے لیے ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔

اخلاق سے عاری سیاست

یہ بات ہم بخوبی جانتے ہیں کہ سیاست دوستی کی جڑ میں مٹھا ڈال دیتی ہے، جھوٹ ملمع سازی، چاپلوسی، دغا بازی، بے وفائی، اور بات سے پھر جانے کے فن میں سیاستدانوں کو بھرپور مہارت حاصل ہوتی ہے کیونکہ بقول عامر عثمانی انہیں معلوم ہے کہ

جھوٹ الزام دغا وعدہ خلافی کیا ہے
قوم سے عشق ہے اور عشق میں سب چلتا ہے

ان دنوں سیاسی لیڈروں میں جس طرح کے اخلاقی بگاڑ کی خبریں آرہی ہیں اس سے باشندگان ملک کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔کرناٹک کے ہاسن کے ایم پی پراجول ریونا کے سیکس اسکینڈل کو عالمی سطح کا سب سے بڑا سیکس اسکینڈل کہا جارہا ہے۔جس میں بی جے پی کی اتحادی پارٹی جی ڈی ایس کے پراجول ریونا کو کم و بیش 3 ہزار خواتین کے ساتھ جنسی زیادتی کا مجرم پایا گیا ہے۔آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اپنے عہدے اور طاقت کا غلط استعمال کر کے سیاستدان اخلاق سے کس قدر عاری ہوتے جارہے ہیں۔شرم کی بات یہ بھی ہے کہ جے ڈی ایس کے ایسے رنگین اور ہوس کے پجاری لیڈر کے لیے وزیراعظم نریندر مودی ووٹ مانگتے ہوئے کہتے ہیں کہ پراجول ریونا کے لیے آپ کا ایک ووٹ مودی کی طاقت میں اضافہ کرے گا۔

مسلمان کہاں کھڑے ہیں؟

اس پوری انتخابی جنگ میں مسلمان کہیں بھی پہلی صف میں نظر نہیں آرہے ہیں کیونکہ کسی بھی پارٹی کے پاس مسلمانوں کی اتنی مضبوط نمائندگی نہیں ہے کہ وہ اپنے بل پر کھڑے ہوسکیں۔لیکن ملک کے ایک انتہائی ذمہ دار شہری ہونے کی حیثیت سے مسلمان پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنے حق رائے دہی کا استعال کر کے فرقہ پرست پارٹی کو اقتدار سے دور رکھنے کی کوشش کریں مسلمانوں کو اپنے نمائندے پارلیمنٹ میں بھیجنے سے زیادہ سیکولر اور معتدل سیاستدانوں کا تعاون کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جس طرح حالیہ دنوں میں کرناٹک اسمبلی انتخابات کے موقع پر ریاست کے مسلمانوں نے بھرپور سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انتخابات میں حصہ لیا تھا اور حکمران پارٹی کی جانب سے سیاسی طور پر کمزور کرنے کی کوشش کا جواب یہاں کے مسلمانوں نے نہایت ہوشیاری اور سمجھداری سے دیا تھا۔اس بار بھی اگر مسلمان جذباتی ہوکر یا ہوش کھو بیٹھتے ہیں تو ممکن ہے کوئی دوسرا ہماری اس کمزوری سے فائدہ اٹھائے اس لیے ووٹ کی اہمیت کو سمجھ کر اپنے حق رائے دہی کا استعمال کریں گے تو کم از کم فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری ساکھ مجروح نہیں ہوگی اس لیے کہ اس وقت مسلمانوں کو انتخاب میں شریک ہو کر انتخاب جیتنے سے زیادہ اہم یہ ہے کہ وہ فرقہ پرست پارٹی کو اقتدار سے بے دخل کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ آنے والے حالات کا اور چیلنجز کا مقابلہ عزم و حوصلے کے ساتھ کریں اور ایک طویل مدتی منصوبہ بنا کر ان حالات کو بہتر کرنے کے لیے کام کریں۔اس کے لیے مسلمانوں کو اپنی داخلی کمزوریوں پر قابو پانے اور برادران وطن کے ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے مثبت تبدیلی پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہے۔انتخابات کے موسم آتے جاتے رہیں گے لیکن اس ملک کے جمہوری اقدار اور یہاں انصاف اور قانون کی بالادستی کو یقینی بنانا تمام ہندوستانیوں کا فرض ہے۔

برہمنی نظام کی علمبردار طاقتوں کا عروج ملک کے بھائی چارہ کے لیے نقصان دہ

سیاسی طور پر بے اثر مسلم اقلیت حاشیہ پر کیوں؟

ہر جگہ مسلمان امتیازی سلوک کا شکار، پولیس، فوج اور انتظامی شعبوں میں مسلمانوں کی نمائندگی برائے نام

عبدالباری مسعود

اس امر میں دو رائے نہیں ہے کہ مئی 2014 میں نریندر مودی کے اقتدار میں آنے کے بعد ملک کی بیس کروڑ سے زائد مسلم آبادی کو دیگر طبقات (بشمول عیسائی، دلت اور قبائل) کے مقابلے میں سب سے زیادہ مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ان دس برسوں میں مسلمانوں کی جان ومال اور آبرو نیز مذہبی شناخت پر چیرہ دستیوں میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ لنچنگ اور بلڈوزر جسٹس ہندتو اسیاسی کلچر میں فرقہ وارانہ سفاکیت کے نئے عنوان بن گئے۔ آزادی کے بعد سے ہی مسلمانان ہند امتیازی سلوک اور فرقہ وارانہ فسادات کی زد میں رہے ہیں۔ ان کا قافیہ تنگ کرنے کا سلسلہ آج بھی بلا روک ٹوک جاری ہے۔ یہ کوئی سنسنی خیز انکشاف یا محض الزام نہیں بلکہ ایک دائمی اور تلخ حقیقت ہے کہ پولیس، فوج اور انتظامی شعبوں میں مسلم نمائندگی آج بھی برائے نام ہی ہے۔ تاہم اس تجزیہ میں گزشتہ دس سالوں میں پارلیمنٹ، صوبائی قانون ساز اسمبلیوں اور حکمرانی کے دیگر آئینی اداروں میں دانستہ طور پر مسلم نمائندگی کو کس طرح کم کیا گیا اس پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شاید آزادی کے بعد یہ پہلا موقعہ ہے جب وفاقی حکومت میں ایک بھی مسلم چہرہ نہیں ہے اور نہ ہی حکمراں جماعت کے دونوں ایوان کے ارکان پارلیمنٹ کی فہرست میں نقوی یا شاہنواز جیسے نام کا ہی کوئی چہرہ نہیں ہے۔ 27 ریاستوں میں سے 15 صوبائی حکومتوں میں کوئی ایک وزیر بھی مسلم طبقہ سے نہیں ہے۔ بقیہ 10 ریاستی حکومتوں میں مسلمان وزیر ضرور ہیں لیکن ان کے پاس اقلیتی امور جیسے غیر اہم قلمدان ہیں۔ ہندوستان کی کسی بھی ریاست میں کوئی مسلمان وزیر اعلیٰ نہیں ہے۔ اس عرصہ میں انہیں سیاسی طور پر کمزور کرنے کے تمام جتن کیے گئے۔ ملک کی واحد مسلم اکثریتی ریاست جموں وکشمیر کا خصوصی درجہ غیر جمہوری انداز سے چھینا گیا اور اسے گزشتہ چھ برسوں سے جمہوری حقوق سے بھی محروم رکھا گیا۔ حالانکہ ملک کی گیارہ ریاستوں کو کسی نہ کسی درجہ میں خصوصی درجہ حاصل ہے لیکن کسی ایک کو بھی چھوا تک نہیں گیا۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور تمام ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کی اسمبلیوں میں مجموعی طور پر 4908 نشستیں ہیں۔ جس میں راجیہ سبھائی 245، لوک سبھا کی 543، ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے قانون ساز اداروں میں بقیہ 4120 نشستیں شامل ہیں۔ تاہم حکمران بی جے پی، جو خود کو دنیا کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کہتی ہے کے تقریباً ایک ہزار ارکان اسمبلی (ایم ایل اے) میں سے ایک بھی مسلمان نہیں ہے۔ حکمراں جماعت سب کا ساتھ سب کا وکاس کا نعرہ تو ضرور لگاتی ہے لیکن یہ نعرہ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ اس کے قول وفعل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس وقت پارلیمنٹ کے ساتھ ساتھ 17 ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں اسے اکثریت حاصل ہے۔ لیکن چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے سے اس کے ارکان کی صف کوئی ایک مسلمان بھی نظر نہیں آئے گا۔ یہ محض اتفاق نہیں بلکہ دانستہ حکمت عملی کا حصہ ہے۔ سیاسی محاذ پر مسلمانوں کو کمزور کرنے میں بہت سے عوامل کارفرما ہیں۔ ان میں برہمنی نظام کی علمبردار طاقتوں کا عروج اور سماج کی شدت پسندی بھی شامل ہے۔ ہندوستانی امور کے نامور فرانسیسی تجزیہ کار کرسٹوف جفرلو (Christophe Jaffrelot) نے اپنی کتاب How:Majoritarian State Hindu Nationalism Is Changing India میں اس نکتہ کو اجاگر کیا ہے کہ بی جے پی کے عروج کا مطلب ہندوستان میں قانون ساز اداروں میں مسلم نمائندگی کی کمی ہے۔ کتاب کے مطابق 1980 اور 2014 کے درمیان ہندوستانی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں میں مسلم اراکان کی تعداد بہت زیادہ کم ہوگئی ہے۔ یہ تنزل اس لحاظ سے بھی سب سے زیادہ اہم ہے کہ اسی عرصے کے دوران ہندوستانی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ نتیجۃً ان کی آبادی کا تناسب (جو 11.1 سے بڑھ کر 14.2 فیصد ہوگیا) اور لوک سبھا میں ان کے منتخب نمائندوں کے درمیان فرق پانچ گنا بڑھ گیا۔ اس سیاسی تنزل کے لیے بنیادی طور پر بی جے پی ہی ذمہ دار ہے جس نے بہت کم مسلم امیدواروں کی حمایت کی ہے۔ خیال رہے 1980 میں 7 ویں لوک سبھا انتخابات میں 49 کے قریب مسلمان ایوان زیریں کے لیے منتخب ہوئے تھے جو آج تک کا ایک ریکارڈ ہے۔ تاہم بی جے پی کی فرقہ وارانہ سیاست کو جیسے جیسے عروج حاصل ہوتا گیا ویسے ویسے مسلمانوں کی نمائندگی گھٹتی چلی گئی۔ جب کہ 2014 کی 16 ویں لوک سبھا میں محض 22 مسلمان ہی منتخب ہو پائے نیز سب سے بڑی ریاست اتر پردیش، جہاں سب سے زیادہ مسلم آبادی ہے، وہاں سے ایک بھی مسلمان کامیاب نہیں ہو پایا۔ یہ فرقہ وارانہ لہر کی شدت کا نتیجہ تھا۔ یہ وہی ریاست ہے جہاں سے 1980 کے الیکشن میں 18 مسلم امیدوار کامیاب ہوئے تھے۔ اس ریاست کو آزادی کے بعد سے سب سے زیادہ مسلم نمائندے بھیجنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ گو کہ موجودہ 17 ویں لوک سبھا میں مسلم اراکان کی تعداد میں قدرے بہتری ہوئی ہے جو کہ اس وقت 27 ہے لیکن 2017 کے اتر پردیش اسمبلی انتخابات میں مسلم نمائندگی 2012 میں 17.1 فیصد سے گھٹ کر محض 9.5 فیصد ہی رہ گئی تھی۔ ماضی میں انتظامی سطح سے مسلم نمائندگی کو کم کرنے کی کوشش بھی ہوتی رہی ہے۔ ان کوششوں میں قابل لحاظ مسلم آبادی والے انتخابی حلقے، شیڈول میں کاسٹ یا شیڈول ٹرائبس کے لیے محفوظ کر دینا اور انتخابی حلقوں کی حد بندی کچھ اس طرح کرنا کہ مسلم ووٹوں کی تعداد بے وزن ہو کر رہ جائے۔ ان دس سالوں میں جموں وکشمیر اور آسام (جو 35 فیصد کے ساتھ

27 ریاستوں میں سے 15 صوبائی حکومتوں میں کوئی ایک وزیر بھی مسلم طبقہ سے نہیں ہے۔ بقیہ 10 ریاستی حکومتوں میں مسلمان وزیر ضرور ہیں لیکن ان کے پاس اقلیتی امور جیسے غیر اہم قلمدان ہیں۔ ہندوستان کی کسی بھی ریاست میں کوئی مسلمان وزیر اعلیٰ نہیں ہے۔ اس عرصہ میں انہیں سیاسی طور پر کمزور کرنے کے تمام جتن کیے گئے۔ ملک کی واحد مسلم اکثریتی ریاست جموں و کشمیر کا خصوصی درجہ غیر جمہوری انداز سے چھینا گیا اور اسے گزشتہ چھ برسوں سے جمہوری حقوق سے بھی محروم رکھا گیا۔ حالانکہ ملک کی گیارہ ریاستوں کو کسی نہ کسی درجہ میں خصوصی درجہ حاصل ہے لیکن کسی ایک کو بھی چھوا تک نہیں گیا۔

ملک میں دوسری بڑی مسلم اکثریت والی ریاست) میں نئے حد بندی کمیشن کے ذریعہ انتخابی حلقوں کی تراش خراش کچھ اسی طرز پر کی گئی کہ مسلم نمائندگی گھٹ جائے۔ جموں وکشمیر کے ساتھ ایک اور بڑی ناانصافی اور ظلم یہ کیا گیا کہ ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کرکے اسے مرکز کے زیر انتظام لے لیا گیا۔ اقلیتوں سے متعلق ادارے جیسے قومی اقلیتی کمیشن، قومی کمیشن برائے اقلیتی تعلیمی ادارہ جات وغیرہ کو عضو معطل بنا دیا گیا یا ان کے عہدوں سے مسلمانوں کو ہٹا دیا گیا۔ مسلمانوں کے سیاسی زوال کے محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے ملی گزٹ کے ایڈیٹر اور دہلی اقلیتی کمیشن کے سابق چیئر مین ڈاکٹر ظفر الاسلام خان کہتے ہیں کہ اس کا سلسلہ آزادی سے پہلے ہی شروع ہو گیا تھا جب برٹش دور حکومت میں داخلی حکمرانی کے دور میں کانگریس نے مسلم لیگ کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پالیسی نے آزادی کے بعد ٹھوس شکل اختیار کر لی جب مسلم تحفظات یا ریزرویشن کو ختم کر دیا گیا۔ سرکاری سطح پر اردو کو دفتری زبان کے طور پر ختم کر دیا گیا اور اردو میڈیم سرکاری اسکولوں کو ختم کر دیا گیا۔ آزادی کے بعد ہندوستان ہجرت کرنے والے غیر مسلموں کو مہاجرین کے طور پر خوش آمدید کہا گیا جب کہ ہندوستان واپس آنے والے مسلمانوں کے ساتھ غیر ملکی کے بطور پر سلوک کیا گیا، جنہیں ہندوستان واپس آنے کے لیے خصوصی اجازت نامے کی ضرورت تھی۔ 1950 کے آرڈر کے ذریعے مسلم اور عیسائی دلتوں کے تحفظات کو یکلخت ختم کر دیا گیا۔ ان تمام دہائیوں میں پارلیمنٹ اور مقننہ میں مسلمانوں کی نمائندگی بمشکل ان کے حق کا ایک تہائی ہی رہی ہے۔ پچھلی تین دہائیوں میں زیادہ تر فرضی دہشت گردی کے مقدمات میں مسلم نوجوانوں کو پھنسایا گیا۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی بھرتی آبادی میں ان کے تناسب کا چار فی صد بھی نہیں رہی۔ سچر کمیٹی نے 2006 میں اپنی رپورٹ میں یہ حقیقت واکر دی کہ مسلمان بعض شعبوں میں ایس سی/ ایس ٹی سے بھی نیچے چلے گئے ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نمائندگی کے معاملے میں کانگریس بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔ 1947 میں ملک بھر میں اے آئی سی سی کے 1000 ارکان میں سے صرف 3 فیصد مسلمان تھے۔ جب اس دور کی مسلم لیگ نے کہا کہ کانگریس ایک ہندو پارٹی ہے تو یہ طعنہ بیجا نہیں تھا۔ 1980 اور 1990 کی دہائیوں میں بی جے پی نے ایسا ہی انداز اپنایا۔ ڈاکٹر خان نے نشاندہی کی کہ 2014 کے بعد سے بی جے پی کے دور حکومت میں صورت حال مزید خراب ہوگئی ہے۔ اگر پہلے کی حکومتوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو پسماندہ کرنے کی ٹھوس پالیسی پر عمل کیا تو ہندوتوا کھلے عام ہندوستانی مسلمانوں (اور عیسائیوں) کو دوسرے درجہ کا شہری بنانے کی وکالت کرتا ہے۔ آزاد ہندوستان میں پہلی بار حکمران جماعت کے پاس ایک ٹوکن مسلم وزیر یا ایم پی بھی نہیں ہے۔ مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے والی سابقہ حکومتوں کی شروع کی گئی اسکیموں کو آہستہ آہستہ ختم کیا جا رہا ہے۔ مسلم پرسنل لاء کو آہستہ آہستہ ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مدرسہ بورڈوں کے تحت قائم مدارس کو ختم کیا جارہا ہے، جیسا کہ اتراکھنڈ، آسام، اوراب یوپی سے خبریں آرہی ہیں۔ کئی علاقوں میں مساجد، مزارات اور مدارس کو منہدم کیا جا رہا ہے۔ حکومت کے حامی میڈیا کی طرف سے مسلمانوں کو رسوا کرنے کا معاملہ اب ایک معمول کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ احتجاج کرنا ہر ہندوستانی کا جمہوری حق ہے لیکن یہ مسلمانوں کے لیے اب انتہائی مشکل ہوگیا ہے۔ اپنے جمہوری حقوق کا استعمال کرنے والوں کو گرفتار کرلیا جاتا ہے اوران کے گھروں اور دکانوں کو منہدم کرنا معمول بن گیا ہے۔ حکمراں بی جے پی اور اپوزیشن پارٹیاں دونوں نے عوامی سطح پر مسلمانوں کی حمایت کرنے سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے۔ حکمراں جماعت اور ارباب اقتدار بغیر کسی عار کے مسلمانوں کو کھلے عام نشانہ بناتے ہیں اور اپنے منصب کے منافی بیانات دیتے ہیں، ان میں وزیر اعظم سمیت بعض وفاقی وزراء اور بعض وزراء اعلی جیسے یوگی آدتیہ ناتھ، ہیمنت بسوا سرما شامل ہیں جنہوں نے کمیونٹی کے خلاف ایک معاندانہ ماحول پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اس کے ذریعہ مسلم مخالف جذبات کو سیاسی فائدے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر خان کے مطابق ہندوستانی مسلمانوں کی درماندگی اتنی شدید کبھی نہیں تھی جتنی کہ اب ہے۔ وہ متنبہ کرتے ہیں کہ اگر مودی کو انتخابات میں دوبارہ برسر اقتدار آنے کا موقع ملتا ہے تو حالات مزید خراب ہو سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے والی سابقہ حکومتوں کی شروع کی گئی اسکیموں کو آہستہ آہستہ ختم کیا جا رہا ہے۔ مسلم پرسنل لاء کو آہستہ آہستہ ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مدرسہ بورڈوں کے تحت قائم مدارس کو ختم کیا جارہا ہے، جیسا کہ اتراکھنڈ، آسام، اوراب یوپی سے خبریں آرہی ہیں۔ کئی علاقوں میں مساجد، مزارات اور مدارس کو منہدم کیا جا رہا ہے۔ حکومت کے حامی میڈیا کی طرف سے مسلمانوں کو رسوا کرنے کا معاملہ اب ایک معمول کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ احتجاج کرنا ہر ہندوستانی کا جمہوری حق ہے لیکن یہ مسلمانوں کے لیے اب انتہائی مشکل ہوگیا ہے۔ اپنے جمہوری حقوق کا استعمال کرنے والوں کو گرفتار کرلیا جاتا ہے اوران کے گھروں اور دکانوں کو منہدم کرنا معمول بن گیا ہے۔۔ حکمراں بی جے پی اور اپوزیشن پارٹیاں دونوں نے عوامی سطح پر مسلمانوں کی حمایت کرنے سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے۔ حکمراں جماعت اور ارباب اقتدار بغیر کسی عار کے مسلمانوں کو کھلے عام نشانہ بناتے ہیں اور اپنے منصب کے منافی بیانات دیتے ہیں، ان میں وزیر اعظم سمیت بعض وفاقی وزراء اور بعض وزراء اعلی جیسے یوگی آدتیہ ناتھ، ہیمنت بسوا سرما شامل ہیں جنہوں نے کمیونٹی کے خلاف ایک معاندانہ ماحول پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اس کے ذریعہ مسلم مخالف جذبات کو سیاسی فائدے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر خان کے مطابق ہندوستانی مسلمانوں کی درماندگی اتنی شدید کبھی نہیں تھی جتنی کہ اب ہے۔ وہ متنبہ کرتے ہیں کہ اگر مودی کو انتخابات میں دوبارہ برسر اقتدار آنے کا موقع ملتا ہے تو حالات مزید خراب ہو سکتے ہیں۔ تاہم اس سلسلہ میں سابق ہاکی اولمپیئن اور مرکزی وزیر اسلم شیر خان ذرا مختلف موقف رکھتے ہیں۔ وہ مدھیہ پردیش کے بیتول حلقہ سے پانچ بار پارلیمانی انتخاب لڑ چکے ہیں جن میں انہیں دو بار کامیابی ملی۔ وہ کہتے ہیں سیاست میں مسلم کمیونٹی کے زوال کی دو اہم وجوہات ہیں: پہلی، انہوں نے بابری مسجد کے انہدام کے بعد کانگریس پارٹی سے بڑی حد تک ترک تعلق کرلیا اور اپنے ووٹوں کو بی ایس پی، ایس پی اور دیگر جماعتوں میں تقسیم کر کے کانگریس پارٹی کو دوبارہ اقتدار حاصل کرنے سے روکا۔ دوسرے، 1980 کی دہائی کے بعد پارٹیوں کے ذریعہ امیدوار منتخب کرنے کے معیار میں تبدیلی آئی۔ اب سماج میں اچھی ساکھ اور ایماندار شخص کی جگہ کروڑ پتی اور طاقتور افراد کو ٹکٹ دیا جانے لگا کہ وہ مارکیٹ سے کتنے ووٹ خرید سکتا ہے اور کتنی دھونس ودھاندلی کی طاقت رکھتا ہے۔ ان کے خیال میں کمیونٹی کو مایوسی سے باہر نکلنے اور خود اعتمادی کا دوبارہ مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔

آزاد ہندوستان میں پہلی بار حکمران جماعت کے پاس ایک ٹوکن مسلم وزیر یا ایم پی بھی نہیں ہے۔ مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے والی سابقہ حکومتوں کی شروع کی گئی اسکیموں کو آہستہ آہستہ ختم کیا جارہا ہے۔ مسلم پرسنل لاء کو آہستہ آہستہ ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مدرسہ بورڈوں کے تحت قائم مدارس کو ختم کیا جارہا ہے، جیسا کہ اتراکھنڈ، آسام، اوراب یوپی سے خبریں آرہی ہیں۔ کئی علاقوں میں مساجد، مزارات اور مدارس کو منہدم کیا جارہا ہے۔ حکومت کے حامی میڈیا کی طرف سے مسلمانوں کو رسوا کرنے کا معاملہ اب ایک معمول کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ احتجاج کرنا ہر ہندوستانی کا جمہوری حق ہے لیکن یہ مسلمانوں کے لیے اب انتہائی مشکل ہوگیا ہے۔ اپنے جمہوری حقوق کا استعمال کرنے والوں کو گرفتار کرلیا جاتا ہے اوران کے گھروں اور دکانوں کو منہدم کرنا معمول بن گیا ہے۔

اداریہ

مگر نفرت کا یہ موسم نہیں ہے

اک ایسے وقت جب وطنِ عزیز شدید گرمی کی لپیٹ میں ہے بالکل اسی طرح ملک کا سیاسی درجۂ حرارت بھی اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ ایک طرف ملک میں سیکولر پارٹیوں کے لیے زمین تنگ کی جارہی ہے تو وہیں دوسری طرف کچھ لوگ آئین اور دستور کی بالادستی کو یقینی بنانے کے لیے انتھک جدو جہد میں مصروف ہیں۔ دستور اور قانون سے چل رہی دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے سامنے اِن دنوں بے انتہا چیلنجس ہیں۔ گزشتہ کئی برسوں سے فرقہ وارانہ کشیدگی اور بین مذہبی منافرت نے اس ملک کی خوشگوار فضا میں زہر گھول رکھا ہے۔ پچھلے دس برسوں سے ملک کی سب سے بڑی اقلیت کو حاشیہ پر دھکیلنے کی جو منصوبہ بند کوشش ہوئی ہے اس سے اکثریتی فرقہ احساسِ برتری کا شکار ہوکر مسلمانوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنانے کی بات کررہا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف فرقہ پرست سیاستدانوں کے ساتھ جانبدار میڈیا گھرانوں کی طرف سے بھی بھرپور نفرت کا ماحول بنایا جارہا ہے۔ سات مرحلوں میں ہونے والے انتخابات کی گہما گہمی میں اکثر یہی دیکھا جارہا ہے کہ حکمراں ترقی کے نام پر ووٹ مانگنے کی بجائے جذباتی مسائل کو ہندو مسلمان کے رنگ میں ڈھال کر پیش کررہے ہیں۔ افسوس اس پر ہے کہ اکثریتی طبقہ کے دلوں میں زہر گھولنے اور نفرتوں کے بیج بونے کے کام میں ہر شخص دوسرے سے آگے بڑھتا دکھائی دے رہا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ آگے بڑھ کر خود مینا اٹھانے والوں میں وزیر اعظم سرفہرست ہیں۔ مسلمانوں پر زیادہ بچے پیدا کرنے والے اور گھس پیٹیا جیسے رکیک ریمارک کرکے وزیر اعظم نے نہ صرف یہ کہ نفرت کی آگ دہکائی ہے بلکہ عالمی سطح پر اپنا تعارف بھی کرایا ہے۔

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ پچھلے دس برسوں میں مخالفین کی آواز دبانے کے لیے سرکاری ایجنسیوں کا بے دریغ استعمال کرکے سیاسی مخالفین کو نیچا بٹھانے جیسی کارروائیاں ایمرجنسی کے مہیب اور سیاہ دنوں کی یاد دلا رہی ہیں۔ جانکار 2024 کے پارلیمانی انتخابات کو اندرا گاندھی کی ایمرجنسی کے بعد ہونے والے 1977 کے پارلیمانی انتخابات کے مشابہ بتارہے ہیں۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر شاید ملک کا عام شہری بھی اب کی بار فرقہ پرستوں کو اقتدار سے دور رکھنے کے لیے ووٹ کی طاقت کا استعمال کررہا ہے تاکہ ملک میں محبت اور بھائی چارہ کی فضا بحال ہوسکے اور سب سے بڑھ کر اس ملک میں دستور اور آئین کی بالادستی کو یقینی بنایا جاسکے۔ اِن حالات میں مسلمانوں کو بھی پوری حکمتِ عملی کے ساتھ اپنے خیرِ امت ہونے کا شعور بیدار رکھنا چاہیے تاکہ اس زہر آلود فضا میں وہ حکمت، تدبر اور معاملہ فہمی کی وجہ سے پورے سماج پر اثر انداز ہوسکیں۔ (س ن)

بھٹکل میں حادثاتی اموات: چند احتیاطی تدابیر

نوجوان اپنی زندگی کی قیمت سمجھیں۔ سیر و تفریح میں احتیار لازما کرنا چاہئے۔

ڈیسک رپورٹ

ان دنوں بھٹکل میں حادثاتی اموات کی کثرت دیکھنے کو مل رہی ہے۔ ادھر چند سالوں سے ڈوب کر جاں بحق ہونے کے واقعات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ابھی قریبی دنوں میں شہر اور اطراف میں چار نوجوانوں کی موت نے خوف کا ماحول پیدا کیا ہے۔ پے در پے پیش آنے والے حادثات نے والدین کو اپنی اولاد کے تعلق سے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ تیراکی کے لئے جانے والے نوجوانوں کے لیے ضروری ہے کہ تیراکی سے قبل چند قابلِ غور پہلو سامنے رکھیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔

عموماً ساحلِ سمندر پر انسان لہروں سے لطف و اندوز ہوتا ہے اور موجوں کی تھپیڑیں انسان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں۔ سمندر کا پانی نمکین ہونے کی وجہ سے سانس لینے میں تھوڑی بہت دشواری پیش آجاتی ہے، کبھی کبھار ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ ساحل سے دیکھنے سے پانی پرسکون لگتا ہے لیکن پانی کے اندر بہاؤ ہوتا ہے، اس صورت سے ماہی گیر ہی واقف ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ماہی گیر بھی مچھلیوں کے شکار کے لیے جانے سے پہلے سو بار سوچتے ہیں، کیوں کہ جیسے ہی سمندر میں جال بچھائی جاتی ہے تو پانی کے اندر کے بہاؤ کی وجہ سے جال کھینچنے میں مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور اس تیز بہاؤ کی زد میں اگر انسان آجائے تو اس کے بچ نکلنے کی امید کم ہی رہ جاتی ہیں۔ ماہی گیری سے وابستہ لوگ سمندر میں تیراکی کے سلسلہ میں بہتر مشورہ دے سکتے ہیں کیونکہ سمندر کے بارے میں زیادہ معلومات ساحل پر بسنے والوں کو ہی ہوتی ہیں۔ ان حالات سے لاپرواہی کسی بڑے حادثہ کو دعوت دے سکتی ہے۔ گزشتہ دنوں فکروخبر کے ویب پورٹل پر مولوی عاکف ندوی کا ایک مضمون پوسٹ کیا گیا تھا۔ اسی کی اہمیت کے پیش نظر اس کے کچھ اہم نکات یہاں قارئین کے لیے باختصار پیش کیے جارہے ہیں۔ ناگہانی آفات اور واقعات کے تناظر میں ہمیں چند پہلوؤں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

1) قضاوقدر پر ایمان: ایسے موقعوں پر تقدیر پر ایمان کو مستحضر رکھنا چاہیے اور اپنے ذہن میں یہ بات تازہ رکھنی چاہیے کہ جس انسان کی موت ہوئی ہے وہ اپنے مقررہ وقت پر ہی اس دُنیا سے رُخصت ہوا ہے۔ ایسے نازک موقعوں پر ہم اگر مگر میں پھنس جائیں گے تو ایمان غارت ہوجائے گا۔

2) مسنون دعاؤں کا اہتمام

دوسری چیز یہ کہ ہم تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرے، صبح شام کے مسنون اذکار اور حوادث اور آفات و بلیات سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مسنون دعائیں منقول ہوئی ہیں ان کا ہمیشہ اہتمام کریں۔ یہ مسنون دعائیں ہمیں ہر طرح کے حادثات سے محفوظ رکھنے کے لیے ڈھال کا کام کرتی ہیں۔

3) سرپرستوں کی اطاعت

تیسری چیز یہ ہے کہ ہمارے والدین، اساتذہ اور سرپرست کی اطاعت گذاری کو اپنا شیوہ بنائیں کیونکہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کی جان کو جوکھم میں پڑنے والے تمام اسباب سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے اپنے والدین اساتذہ اور سرپرستوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کردینا چاہیے۔

(5) آخرت کی تیاری

پانچویں اور آخری چیز یہ کہ ہمارے متعلقین اور خاص طور پر نوخیز جوانوں کی اموات ہمیں خاموش انداز میں یہ پیغام دیتی ہیں کہ اس زندگی میں وقتِ فرصت کو غنیمت سمجھ کر خدا کی اطاعت میں گزارنے کی کوشش کی جائے اور اپنی زندگی کا جائزہ لے کر اسے ایک صحیح سمت میں لگانے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔ اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کی اصلاح کریں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی کریں ورنہ ہمارے سامنے پیش آنے والی ایسی ناگہانی آفات اور بے شمار اموات اگر ہمارے لیے عبرت اور نصیحت کا سامان فراہم نہ کرسکیں تو اس سے بڑھ کر خطرے کی اور کوئی مات نہیں ہوسکتی۔

توجہ دیں

فکروخبر بھٹکل علماء کی زیرنگرانی چلنے والا ویب سائٹ ہے، اس کے استحکام کے لیے ہمیں آپ کا تعاون درکار ہے، اس شمارہ پر آپ اپنی رائے ضرور دیں تاکہ اس کو بہتر بنانے میں ہمیں مدد ملے، اپنے کاروبار اور تجارت کو فروغ دینے کے لیے فکروخبر کو اشتہارات دیں۔

رابطہ کریں: +91 9108080800 | +91 9916131111

fikrokhabaronline@gmail.com

”ہم صالح بن جائیں“ مولانا عبداللہ حسنی مرحوم کے مجالس کا فیض

نصیحت اور موعظت کا ایک دل آویز مجموعہ

نام کتاب: ہم صالح بن جائیں
خطاب: حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
مرتب : محی الدین جمال ملپا ندوی
ناشر : ادارہ دعوت علم وعمل بھٹکل
تبصرہ نگار : محمد سمعان خلیفہ ندوی

اخلاص کے ساتھ اطاعت واتباع اور تسلیم وانقیاد کی زندگی گزارنے والے بندۂ مومن کے دل پر معانی کا فیضان ہوتا ہے اور اس کی زبان پر علم وحکمت کے چشمے جاری ہوتے ہیں، ہمارے مولانا سید عبد اللہ حسنی مرحوم بھی موعظت ونصیحت کے لیے لب کھولتے تو پتا نہیں کہاں سے مضامین کا ایک سیلِ رواں آجاتا اور دل پر منعکس ہونے والے معانی کو پیکرِ اظہار مل جاتا کہ عقل حیران ہوکر رہ جاتی۔ مثالوں کے تو آپ بادشاہ تھے۔ مشاہدہ بڑا تیز پایا تھا، جہان گزراں سے گزرنے والی چیزوں سے نتائج خوب اخذ کرتے۔

مخدوم ومربی مولانا عبداللہ حسنی مرحوم عظمت اسلاف کی ایک رخشندہ نشانی تھے، وہی غیرت، وہی وضع داری، دعوت واصلاح کا وہی جذبہ، مگر اس سلیقے کے ساتھ کہ دلوں کو ان کے دو بول سے تسکین ملتی رہے۔ مگر اصولوں کی خلاف ورزی پر گرفت بھی۔ امت مسلمہ بالخصوص نوجوانوں کی دکھتی رگ آپ پکڑتے اور ان کے مسائل حل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے مختصر وقت میں کتنا بڑا کام لیا، کتنے ہزاروں نوجوانوں نے آپ سے رہ نمائی حاصل کی، بالخصوص حضرت مفکر اسلام علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد جس قدر آپ سے رجوع ہوا، اس سے کاروان ایمان وعزیمت کی یاد تازہ ہوتی رہی۔ تعلیم وتدریس، اصلاح باطن، دعوت اسلام، پیام انسانیت، ذاتی مسائل الغرض بہت سے شعبوں میں اللہ نے آپ سے بڑا کام لیا، اور ان سب میں آپ کی مجلسوں کے ساتھ ساتھ آپ کے مواعظ نے بھی بڑا کردار ادا کیا، جو دسیوں اسفار اور خود آپ کی روزانہ کی مجلسوں میں آپ کی زبان حکمت سے ادا ہوتے تھے۔

ان مواعظ میں خصوصا نوجوان نسل کی بے راہ روی کا

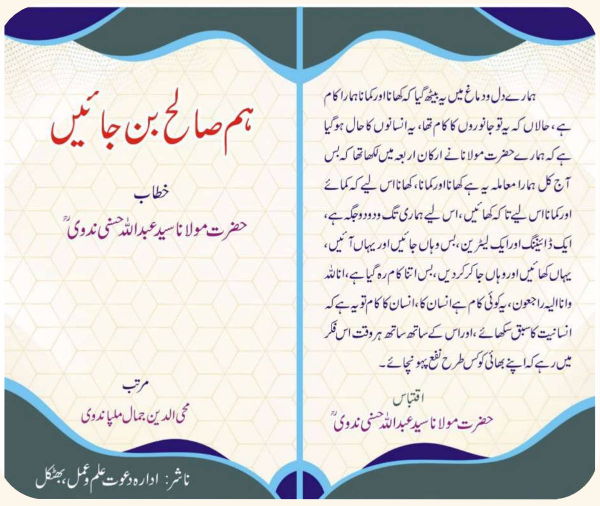

علاج بھی ہے اور معاشرے کی اصلاح کا تیر بہ ہدف نسخہ بھی۔ بالخصوص نئے فارغین مدارس کے لیے کسی دینی ودعوتی سرگرمی میں مشغول ہونے سے قبل اصلاح باطن کی فکر کرنے اور اس کے لیے یکسوئی اختیار کرنے پر آپ بہت زور دیتے تھے، علمی وفکری طور پر بھی اور اصلاحی طور پر بھی ایک نصاب سے آپ ان کو گزارتے تھے۔

مقام شکر ہے کہ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہمارے عزیز دوست مولانا محی الدین جمال ملپا ندوی جنھیں مولانا مرحوم سے بڑی محبت رہی اور مولانا کی نگاہ شفقت بھی ان پر خوب رہی، اس لیے بھی کہ ”نعم الخلف لخیر السلف“ بننے کے وہ حق دار ہیں، بھٹکل وآس پاس کی تعلیمی ودینی بیداری کے لیے جس شخصیت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جامعہ اسلامیہ کا ایک عظیم قلعہ تیار کیا جو آج مینارۂ نور بن کر ایک جہان کو منور کررہا ہے وہیں علامہ سید سلیمان ندوی، مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحب، محی السنہ شاہ ابرار الحق صاحب اور بزم اشرف کے دیگر چراغوں سے جس نے روشنی حاصل کرکے دکان معرفت سجائی اور سیکڑوں بیمار روحوں کے لیے داروئے شفا فراہم کی اور ایک صدی کی تاریخ اصلاح وعزیمت کا گواہ بن کر دنیا سے رخصت ہوا، ہمارے مولانا جمال اسی شخصیت کمال ڈاکٹر علی ملپا مرحوم کے حفید ہیں۔ خدا یہ نسبت مبارک کرے۔

مولانا عبداللہ حسنی صاحب مرحوم سے جو فیض انھوں نے حاصل کیا ہے وقتا فوقتا یوٹیوب کے چینل ”اصلاحی شارٹ کلپ“ کے ذریعے سے وہ اسے عام کرتے بھی رہتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے پاس مولانا کی تقاریر کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ الحمدللہ اس وقت اسی خزانۂ عامرہ سے ایک تقریر نکال کر اسے قلم بند کرکے یہ رسالہ منظر عام پر لارہے ہیں۔ میں ان کا شکر گزار ہوں کہ مولانا مرحوم کی نسبت سے اس رسالے کو دیکھنے اور یہ چند سطریں لکھنے کا شرف بخش کر مجھے بھی اپنے ساتھ شریک کرلیا۔

فقہ شافعی

سوال: اگر کسی وجہ سے حکومت کی طرف سے یہ حکم جاری کیا جائے کہ مطاف میں صرف عمرہ کرنے والوں کو جانے کی اجازت ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو طواف وداع اوپری حصہ سے کرنا لازم ہو تو کیا یہ فاصلہ طویل ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ تکلیف ومشقت کی بناء پر طواف وداع کے بجائے مکہ سے نکلنے سے عین وقت پہلے کوئی عمرہ کرے جس میں طواف وسعی سے فارغ ہوجائے اور حلق سے پہلے طواف وداع سے فارغ ہوجائے تو اس طرح کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

جواب: حالات کے پیش نظر مطاف چوں کہ صرف معتمرین کے لیے کھلا ہے اور معتمرین کے علاوہ کسی کو نیچے اترنے کی اجازت نہیں ہے ایسی صورت میں اگر کوئی مکہ سے عین نکلنے سے پہلے عمرہ کرے اور اس میں طواف وسعی سے فارغ ہوجائے اور حلق سے پہلے طواف وداع سے فارغ ہوجائے تو اس کی گنجائش نہیں ہے اسلئے کہ طواف وداع کا اطلاق تمام مناسک حج کو ادا کرنے کے بعد ہوتا ہے اور ان مناسک میں سے ایک نسک حلق باقی رہا اسلیے اس کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ اگر سعی کے بعد باہر نکلنے سے پہلے کچھ بال کاٹ دے اور اس کے بعد طواف وداع کرے تو گنجائش ہوگی۔

Jakti travels جاكتي ترافيلس
MUMBAI/BHATKAL/DELHI/HONNAVAR
9821305638 9663960093

FIKROKHABAR 8
SPECIMEN COPY
Vol.1 Iss.2
1st ZI-QADA 1445
10 MAY 2024
Cont: +91 9108080800
Email : fikrokhabaronline@gmail.com
Haneef Abad, Bhatkal. 581320

طوطے انسانوں کی زبان کس طرح سیکھ لیتے ہیں؟

لوگ طوطوں کو بولتے دیکھ کر بڑے حیران اور ہوتے ہیں لیکن ابھی تک کوئی یہ نہیں بتا سکا ہے کہ یہ پرندے انسانوں کی اتنی کامیاب نقل کس طرح کر لیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ طوطے اپنی زبان کی ساخت کی وجہ سے، جو لمبی اور موٹی ہوتی ہے، بول لیتے ہیں لیکن پرندے کے بولنے کے لیے ایسی زبان کا رکھنا لازمی شرط نہیں۔ دوسرے بولنے والے پرندے مثلاً مینا، عام کوے اور پہاڑی کوے کی ایسی زبان نہیں ہوتی۔ دوسری طرف باز، عقاب کی بھی ایسی زبان ہوتی ہے مگر وہ بول نہیں سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طوطے دوسرے پرندوں سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں لیکن یہ کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ بہت سے ماہرین حیاتیات کا خیال ہے کہ طوطے دوسرے بولنے والے پرندوں کی باتوں کا مطلب نہیں سمجھ پاتے، لیکن صوتی اثرات کی نقل کامیابی سے کر لیتے ہیں۔

انسان جو آوازیں پیدا کرتے ہیں، وہ طوطوں کی اپنی آواز سے ملتی جلتی ہوتی ہے، چنانچہ انسانی آوازوں کی اتارنا طوطوں کے لئے ممکن ہوجاتا ہے۔

طوطے دوسری باتوں میں بھی کافی حیرت انگیز ثابت ہوئے ہیں۔ وہ ہر طرح کے حالات کے مطابق خود کو ڈھال لیتے ہیں خوش چنانچہ اکثر دور دراز کا سفر کرنے والے جہاز راں اپنے ساتھ طوطے لے جاتے ہیں۔ عام طور پر اکثر لوگ طوطے کے بچے کو پال کر بڑا کرتے ہیں کہ طوطے کا بچہ بات کو جلد سمجھ اور سیکھ لیتا ہے۔ ہمارے ہاں اکثر گھروں میں طوطے بڑے شوق سے پالے جاتے ہیں اور انہیں باتیں سکھائی جاتی ہیں۔ بچے ان سے پیار کرتے ہیں۔

شاہد حسین

اس شمارہ میں شائع شدہ مضامین مضمون نگار کی ذاتی آراء اور خیالات پر مبنی ہیں، فکروخبر کا اس سے اتفاق ضروری نہیں ہے۔ (ادارہ)